بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

ایک سر توڑ مہم اور ایک جان کاہ تنگ و تازہ کا نام اسلام ہے۔

خدا تعالیٰ کی پکار اور اس کے پیغمبروں کی دعوت پر جن لوگوں کی فطرتِ سلیم جاگ اٹھتی ہے، ان کے لا الٰہ الا اللہ پکارتے ہی طاغوتی قوتوں کی طرف سے ان کے خلاف ایک لامتناہی جنگ و تصادم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پس آنے والوں سے پہلے قدم پر ہی کہا جاتا ہے کہ آؤ تو سوچ سمجھ کر آؤ، خدا کا ساتھ دینا ہے تو خدا کے باغیوں اور طاغوتوں کو مسترد کر کے آؤ۔ اسلام کے کیمپ میں داخل ہوتے ہوئے خدا سے جانوں اور مالوں، اولادوں اور جائیدادوں، کھیتیوں اور تجارتوں، آسائشوں اور افزائشوں کا ایک ہی بار سودا کر کے آؤ۔

ایمانی عشق کی راہ جو رضائے الٰہی کی جنتوں تک جاتی ہے، سہل نہیں ہے۔ اس کے سالکوں کو بھکاریوں کی طرح دربدر پھرنا پڑتا ہے۔ وہ اگرچہ فرد فرد تک ہدایتِ ربانی کا نور پہنچانے جاتے ہیں تو درحقیقت دوسروں پر بڑا احسان کرتے ہیں، مگر انداز ان کا ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی سائل کسی کے کوچۂ ناز سے اس طرح گزرے کہ اس [illegible] خس دنیا ناک کی بھی ناز برداریاں کرے۔ پھر جواب میں کبھی گالیاں، کبھی پتھر! کبھی اپنے بگڑ جاتے ہیں، کبھی مال و متاع چھن جاتے ہیں، کبھی گھر اجڑ جاتے ہیں، کبھی وطن کو الوداع کہہ کر ہجرت کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے، اور ایسے وقت بھی آتے ہیں جب تلواریں تلواروں سے ٹکرا جاتی ہیں۔ یہ سارا کٹھن راستہ جہاد کا راستہ ہے۔ اس جہاد سے بھی سخت جہاد وہ ہوتا ہے جب اقتدار ہاتھ میں ہوتا ہے اور آدمی ناجائز طور پر کسی کو اف نہیں کہہ سکتا۔ دولت کے انبار ہوتے ہیں لیکن ان کے سب سے بڑے امانت داروں کو فاقہ مستی میں رہنا پڑتا ہے۔ عدل و قانون کا سارا زور رجع

ہو کر ہٹ آتا ہے مگر ایک ادنیٰ شہری کے کسی حق کو اس سے چھینا نہیں جا سکتا - اور ایک معزز ترین اور انتہائی اقرب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جا سکتا - تب وہ انصاف قائم ہوتا ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں۔
کتنی عظیم مہم ہے! اس میں عمریں کھپ سکتی ہیں، نسلوں کی محنتیں صرف ہو سکتی ہیں - دسیوں بار ناکامیوں اور شکستوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، طرح طرح کی مخالفانہ سازشوں سے سابقہ پڑ سکتا ہے، گرفتاریاں اور قیدیں پیش آسکتی ہیں - قرقیاں اور ضبطیاں ہو سکتی ہیں - صلیب و دار کے مراحل پیش آسکتے ہیں - ایسی عظیم اور مقدس مہم کے لیے بھرتی ہونے والے افراد کو یونہی نہیں چھوڑ دیا جاتا کہ جاؤ جیسے تمہارا جی چاہے، مزے اڑاؤ، بس اب تمہارا نام درج رجسٹر ہو گیا -

---

اسلام تو غلط ساخت پر مبنی ہوئی دنیا کو توڑ کر نئی دنیا از سرِ نو تعمیر کرنے کا پروگرام ہے - یہ تو جاہلیا مشرکانہ یا منکرِ خدا تہذیب کا تسلط ختم کر کے نئی خدا پرستانہ تہذیب کا دور شروع کرنے کی جدوجہد سے عبارت ہے - سیاسی ہیئتوں سے لڑائی ہے، رسم و رواج سے لڑائی ہے، اپنی اور اپنوں کی خواہشوں سے لڑائی ہے، لوگوں کی خود ایجاد کردہ شریعتوں سے لڑائی ہے - مذہبی دکانداریوں سے لڑائی ہے - ایسی بھاری لڑائی لڑنے کے لیے آدمی بس یونہی بغیر کسی تیاری کے نکل کھڑا ہو، یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں - اسلام فلاحِ انسانیت کی جس عظیم انقلابی مہم پر مشتمل ہے اس کے لیے لبیک کہنے والے ہر سپاہی کو عمر بھر کے لیے ایک ایسے تربیتی کورس کا پابند کیا جاتا ہے جو فکر و عقیدہ کو بھی مسلسل استحکام دیتا ہے، اخلاق و کردار کو بھی اور اجتماعیت کو بھی -

یہ مہم ایسے لوگوں کے ذریعے سے نہیں چل سکتی جو زبانی دعوے تو شاندار کریں اور عملاً برعکس زندگی گزاریں - اپنے آپ کو مسلمان کہیں، مگر نہ مسلمانوں کے سے فرائض ادا کریں اور نہ پابندیاں قبول کریں - اپنی ذاتی خواہشوں کی غلامی کرنے والے لوگ، دن رات دولت اور اسبابِ دنیا جمع کرنے کے خواب دیکھنے والے لوگ، اسراف و تبذیر میں مبتلا لوگ، رشوتیں کھانے والے اور خیانتیں کرنے والے لوگ، سود کا لین دین اور کاروبار میں ہیر پھیر کرنے والے لوگ، قوت و اقتدار پا کر کمزوروں کو ستانے والے لوگ، اس مہم کے لیے عملاً مفید نہیں ہو سکتے، بلکہ اُلٹا مضر اور مزاحم ہوتے ہیں -

---

اس جان جوکھوں کی مہم کی تیاری کے لیے اسلام نے انسان کو خدا پرستانہ بنیادوں پر خود تسخیری کا جو پروگرام بنا کے دیا ہے، اُس میں روزے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

روزے کا ایک مقصد آبیاری ایمان اور خود احتسابی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بخاری ہے کہ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ۔ ترجمہ:۔ جس نے رمضان کے روزے بحالتِ ایمان و احتساب رکھے، اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے جو وہ پہلے کر چکا۔ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی دوسری روایت میں مَنْ صَامَ کی جگہ مَنْ قَامَ کے الفاظ ہیں۔ یعنی جس نے بحالتِ ایمان و احتساب رمضان میں شبانہ عبادت کی اُس کے تمام سابق گناہ معاف ہوئے۔

یعنی تمام عبادات اور عملِ صالحہ کی طرح روزہ بھی وہی مطلوب ہے جسے آدمی محض خدا اور اس کے دین پر ایمان رکھنے اور اُس کو حق سمجھنے کی وجہ سے رکھے۔ اور اس سے اس کا مقصود بھی خدا تعالیٰ ہی کی خوشنودی ہو، بغیر کسی شعور اور جذبے کے، محض رسم داری کے طور روزہ رکھنا عبادت کی صحیح تعریف میں نہیں آتا۔ اسی طرح اگر نیت صحت کے لیے فاقہ کشی کی ہو یا لوگوں میں تقدس و تقشف کی شہرت مطلوب ہو، تو روزہ سے اصل مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔

احتساباً کی شرط یہ معنی رکھتی ہے کہ آدمی اپنے نفس کی کیفیات پر نگاہ رکھے۔ اور خواہشات قلب پر جو دباؤ ڈالیں اُن کے بارے میں چوکنا رہے۔ اپنے خیالات کی رو اور جذبات کے تموّج، زبان کے تکلّم اور لین دین اور زندگی کے تمام دوسرے معاملات میں سخت محتاط رہے کہ کوئی بات خدا کی مرضی اور شریعت کے احکام اور روزے کے تقاضوں سے انحراف کی باعث نہ بنے۔ اپنی ذات کی یہ پاسبانی و نگہداری ایک ایسی مطلوب صفت ہے جس کی پرورش روزوں کے دوران میں خاص طور پر زیادہ اچھی طرح ہوتی ہے — مومن کی ساری زندگی دراصل ایمان و احتساب کی زندگی ہوتی ہے اور وہ ہمہ وقت خود احتسابی کی کمین گاہ میں بیٹھ کر اپنا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ دین کی پیروی اور شریعت کی پابندی اور اقامتِ دین کی جدوجہد، ایمان و احتساب کے برسرِ عمل ہوئے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ جس طرح روزے میں آدمی کو ہر آن یہ احساس رہتا ہے کہ کہیں میرا روزہ ٹوٹ نہ جائے۔ اسی طرح پوری زندگی بسر کرتے ہوئے اس پر فکر طاری رہتی ہے کہ کہیں کسی غلط کاری کی

وجہ سے میری زندگی رائیگاں نہ چلی جائے۔

قرآن میں ماہ صیام کے روزوں کو فرض کرتے ہوئے مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" یعنی اللہ تعالیٰ ہماری روزہ داری کا یہ اثر دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تقویٰ بھی ایک مہینے کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ ساری زندگی کے لیے مطلوب ہے۔ البتہ رمضان کا مہینہ بطورِ خاص تقویٰ کی رُوح کو مضبوط کرنے کا وسیلہ ہے۔ وہی بات جو اُوپر "ایمان و احتساب" کے سلسلے میں بیان ہو چکی ہے، تقویٰ بھی اسی کا نام ہے یعنی خدا کے ہونے پر یقین رکھتے ہوئے، روزے کو اس کے حکم کے طور پر اختیار کرنا۔ اور پھر اُس کے دوران میں سحری سے لے کر افطاری تک اور تراویح سے لے کر گھر اور معاش کے تمام معاملات میں خدا کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ طریقوں کا لحاظ کرنا اور ہر قدم پر اُس کی رضا پہ نگاہیں جمائے رکھنا۔ یہی مسلکِ تقویٰ ہے۔ وہ صاحبِ ایمان جو خدا کی رضا کے لیے بدن کی جائز اور حقیقی خواہشات و ضروریات پر اپنے آزاد رضاکارانہ جذبے سے پابندیاں عاید کرتا ہے۔ اور پھر خود ہی اُن کی پاسداری کرتا ہے، اُس سے بڑھ کر کون مسلکِ تقویٰ کا سالک ہو سکتا ہے۔

سچی دینداری، بلکہ تمام تر تہذیب اسی کا نام ہے کہ آدمی خدا کی مرضیات کے تحت اپنے اُوپر خود پابندیاں عاید کرے اور پھر اپنی نگرانی آپ کرے۔

کوئی بہترین مرغن کھانے کھانے والا اور بہترین مشروبات پینے والا وہ لطف حاصل نہیں کر سکتا، جو ایک روزہ دار اپنے اُوپر خدا کے حکم کے تحت دن بھر کے مکمل فاقے کی پابندیاں عاید کر کے حاصل کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تمام کھانے والے بھوکے اور تمام پینے والے پیاسے رہتے ہیں۔ رُوح کی بھوک اور رُوح کی پیاس کا اُن کے پاس کوئی علاج نہیں۔ اسی طرح کوئی آرام و آسائش میں پڑا ہوا شخص ایسا نہیں جو اپنی نیند کو خراب کر کے تراویح میں کھڑے ہوتے اور سحری کو بیدار ہونے والے مومن کے برابر قوت حاصل کر سکے۔ خدا کی خوشنودی کے لیے بھوک پیاس اور بے آرامی برداشت کرنے والے کو قلب و رُوح اور ضمیر و اخلاق کی وہ قوت حاصل ہوتی ہے، جس کے بل پر وہ مزاحم ہونے والی سیاسی تمدنی چٹانوں سے اپنے ایک "ذرۂ دردِ دل" کو ٹکرا دیتا ہے۔

---

عام طور پر روزے کا مشہور تصور یہی ہے کہ آدمی مقررہ وقت کے لیے کھانے پینے اور ازدواجی رابطے سے بے تعلق رہے۔ لیکن شارع نے روزے کا یہ تصوّر نہیں دیا ہے۔ وہ روزے کے ظاہری محدود ڈھانچے کے اندر پورے دین کے تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ حضورؐ کے ایک ارشاد کی روایت حضرت ابوہریرہؓ نے یوں کی ہے۔

| | |
|---|---|
| مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ زُوْرٍ | جو شخص (روزہ رکھ کر) جھوٹ بولنا |
| وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ | اور جھوٹ پر عمل کرنا (یعنی خلافِ شریعت امور) |
| فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ | نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی کوئی حاجت |
| (بخاری) | نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔ |

واضح ہوا کہ روزے کی اصل روح اور اس کا اصل مطلوب ترکِ زُور یا ترکِ گناہ ہے۔ بات پھر کر وہیں تقویٰ پر آگئی۔ یعنی روزہ اس بات کی اپنے آپ کو تربیت دینا ہے کہ آدمی جو کام کرے، خدا کی اجازت سے کرے اور جس چیز کو ممنوع ٹھہرایا گیا ہو، اُس سے باز رہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت کے مطابق روزہ دار یہاں تک احتیاط کرے کہ اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی دے تو جواب میں وہ نہ جھگڑے اور نہ گالی دے، بلکہ صبر کرے۔ ضرورت ہو تو زیادہ سے زیادہ اُس سے معذرت کر سکتا ہے کہ بھائی مجھے معاف کر دینا، میں روزے سے ہوں اور دنگے فساد یا گالم گلوچ میں حصّہ نہیں لے سکتا۔

کجا یہ کہ روزہ رکھ کر (وہ بھی جسے توفیق ہو) بے شمار مسلمان بے محابا جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں، جھوٹی گواہی دیتے ہیں، گالی بکتے ہیں، رشوت لیتے دیتے ہیں، سود اور قمار سے آلودہ ہوتے ہیں۔ گندے گانے سنتے ہیں، نگاہوں کو فسق آلود کرتے ہیں، لین دین میں ہیر پھیر کرتے ہیں، گھٹیا فلموں سے دل بہلاتے ہیں —— اور اُن میں سے کسی کو خیال نہیں آتا کہ روٹی کا لقمہ کھانے یا پانی کا گھونٹ پینے سے تو اُن کے روزے کے صرف ظاہری ڈھانچے میں دراڑ پڑتی ہے، مگر ان کے اخلاق و معاملات کی خرابی سے تو روزے کی رُوح ہی ہلاک ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُدھر سے کہا جاتا ہے کہ میاں تمہارے اس کھوکھلے فاقے کی ہمارے ہاں کوئی قدروقیمت نہیں ہے، لے جاؤ اسے اپنے پاس سنبھال کے رکھو۔

یہ ہے روزے کی اصل حقیقت جسے سامنے رکھیں تو یہ راز سمجھ میں آسکتا ہے کہ حق کے سپاہیوں کو اس کی کتنی اشد ضرورت ہے۔ ہر سال ماہ رمضان کے تربیتی کورس سے گزر کر وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو اسلامی انقلاب کی دعوت کی علمبرداری کے لیے ضروری ہے۔

علاوہ ازیں اس وقت ہمارا معاشرہ دولت پرستی اور لذت مستی کی جن خرابیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ اور اس پر طرح طرح کے جو نظریے حملہ آور ہیں، نیز جو سامراجی اور سازشی قوتیں مختلف اطراف سے منڈلا رہی ہیں، اُن کی وجہ سے ہر صاحبِ ایمان و شعور کو تشویش ہے کہ ہم نہ جانے کدھر لیے جا رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے مترفین اور مسرفین اور پھر اُن کی نقالی میں ہم خود سب کے سب مبتلا ہو کر کسی خوفناک نتیجے کی طرف چلے جا رہے ہوں؟

حالات کا یہ جو کچھ بھی بگاڑ ہمارے سامنے ہے اور جس کے اثر سے ہم خود بھی پوری طرح نجات یافتہ نہیں ہیں، اس کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے رمضان کا محاذ نہایت ہی مضبوط محاذ ہے۔ روزہ لادینیت اور مادہ پرستی اور بندگیٔ ہوس کی قوتوں کے خلاف ایک مؤثر جہاد ہے۔ جہاں روزہ ہوگا جہاں سحری و افطاری ہوگی، جہاں تراویح اور تلاوتِ قرآن کا سلسلہ ہوگا، وہاں الحاد اور فحاشی اور جنسیت اور ہوسناک ثقافت کے چلتر نہیں چل سکتے۔

---

لوگوں کو چاہیے کہ وہ خود ہی روزہ رکھنے پر اکتفا نہ کریں، بلکہ عزیزوں، دوستوں، کاروباری اور دفتری ساتھیوں، شہروں اور دیہات کے لوگوں تک پہنچیں اور روزہ نہ رکھنے والوں کو ترغیب دلائیں کہ وہ روزہ رکھیں۔ رمضان دعوت الی اللہ اور دعوتِ اقامتِ دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ افراد نکلیں اور وفود نکلیں اور گروہ نکلیں، لوگوں کو پیار سے سمجھائیں، رمضان کی برکات سے آگاہ کریں، خدا اور رسولؐ کی محبت کی لَو اُن کے اندر تیز کریں، ضعیف اور معذور اور مریض مسلمانوں نیز غیر مسلموں کو بھی دوسری تلقین یہ کریں کہ وہ کم سے کم رمضان کا احترام سختی سے ملحوظ رکھیں۔ خصوصاً لاابالی نوجوانوں کو پیار سے یہ سمجھایا جائے کہ وہ بر سرِ عام سگریٹ نوشی نہ کریں۔ اس سلسلے میں ہوٹل والوں اور سامانِ خورد و نوش بیچنے والے دکانداروں سے بھی دردمندانہ اپیل کی جائے کہ وہ چند پیسوں کے لیے رمضان کی بے حرمتی نہ کریں۔

الحاد و کفر اور مادہ پرستی کی حملہ آور تحریکوں کے اس دور میں وہ دینداری کافی نہیں کہ آدمی اپنی جگہ اللہ اللہ کرے اور نماز روزہ میں مصروف رہے۔ اس طرح کی دینداری دُنیا کے کئی حصوں میں بُری طرح کچل دی گئی ہے۔ اب تو اگر کسی کو مسلمان رہنا ہو اور اپنے اہل وعیال اور آئندہ نسلوں کو اسلام سے وابستہ رکھنا ہو تو یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ ذاتی دینداری پر اکتفا نہ کرے، بلکہ اجتماعی اصلاح کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دے۔ حق تو یہ ہے کہ دور کوئی بھی ہو، یہ دعوت دین کا ایک نہایت اہم تقاضا رہی ہے کہ بغیر اس کے ذاتی دینداری کا حق بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس عظیم کارِ دعوت کے لیے جو لوگ اُٹھیں، اُن کا ایک منظم قوت ہونا ضروری ہے۔

پس صائمین و صائمات اُٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان کے بابرکت ماحول میں خدا کے دین کا پیغام پھیلانے کے لیے پروگرام سوچیں۔ مگر اس پر اکتفا نہ کریں کہ کہیں کہیں درسِ قرآن و حدیث کا انتظام ہو جائے یا مجالسِ افطار میں دین کا پیغام دینے کے انتظامات ہو جائیں بلکہ اوّلین اہمیت انفرادی ملاقاتوں اور انفرادی توجہ کو حاصل ہے۔

---

اگر روزہ دار طبقے کسل مندی کا شکار ہو کر دعوتِ دین اور دعوتِ اقامتِ دین کا کام ہر ماحول میں اور ہر ذریعے سے نہیں کریں گے تو نتائج کی تلخی کا اندازہ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث سے کیجیے جسے حضرت حذیفہؓ نے روایت کیا اور ترمذی نے بطور حدیث حسن اپنی کتاب میں شامل کیا۔ (ترجمہ):-

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تمہیں لازماً معروف کی تلقین کرنی ہوگی اور تمہیں لازماً منکر سے روکنا ہوگا۔ یا پھر اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے کسی ایسے خمیازے سے دوچار کر دے کہ اس کے بعد تم اُس کے حضور میں دُعائیں کرو، مگر تمہاری کوئی شنوائی نہ ہو"۔ (او کما قال)

خداوند کریم رحم فرمائے اور ہم کو ایسی پست حالت میں مبتلا نہ کرے کہ ہم پر اس کی طرف سے ایسی گرفت ہو کہ ہماری دُعاؤں کے لیے اس کے دروازے بند ہو جائیں۔

---